© rasailojaraid.com

مطلق العنان اقتدار کے تحت محدود مذہبی مناصب

اوّلین تجربہ ـــــ عباسی دور میں

ـــــــــ نعیم صدیقی ـــــــــ

(۶)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام محمدؒ کے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ بنو تغلب کے نصاریٰ نے حضرت عمرؓ کے دور میں جو معاہدہ کیا تھا اور اس کے ذریعے اپنے لیے امان حاصل کی تھی، اس کی انہوں نے خلاف ورزی کی ہے۔ معاہدہ میں انہوں نے اقرار کیا تھا کہ وہ اپنی اولادوں کو عیسائی نہیں بنائیں گے مگر بعد میں اس اقرار کے خلاف عمل کرنے لگے۔ پھر کیا اس نقضِ عہد کی وجہ سے ان کا خون مباح نہیں ہو جاتا؟ ظاہر بات ہے کہ فرماں رواکے اس طرح کے کسی استفسار کے پیچھے سیاسی مصالح کارفرما ہوتے تھے اور اس کا عندیہ جھلک رہا ہوتا تھا، نہ یہ کہ محض علمی ضرورت سے سوال کیا جا رہا ہو۔ امام محمدؒ ہارون الرشید کے مصالح اور عندیہ سے بالکل صرفِ نظر کر کے صاف صاف جواب دیتے ہیں کہ یہ صلح حضرت عمرؓ کے دور میں قائم ہوئی اور بعد کے خلفاء نے اسے برقرار رکھا تو اب جبکہ کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، اس میں آپ کی دست اندازی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ ان کی جس خلاف ورزی کا آپ ذکر کر رہے ہیں جب سے حضرت عثمانؓ نے جو آپ کے ابنِ عم تھے، انگیز کر لیا اور یہی صورت بعد میں برقرار رہی تو اب آپ اس معاہدہ کو کالعدم نہیں قرار دے سکتے۔ ہارون نے اس مدلل قولِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور امام کی حق گوئی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو مالِ کثیر دیا جسے امام نے مستحقین میں تقسیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ مسلمان حکمرانوں کے ساتھ وہ کونسی قوت وابستہ تھی جس نے اقلیتوں کے حقوق کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو خطرے کے منہ میں دینا تک گوارا کیا۔

فرماں روا کی طرف سے استفتا کے بغیر بھی علمائے حق خلافِ شریعت معاملات میں آڑے آتے تھے جس کی ایک مثال ہم بیان کر چکے ہیں کہ مامون کے دور میں جب متعہ اور دیگر حرمتوں کو حلال کرنے کے لیے کتاب لکھ کر دربار میں لائی گئی تو قاضی یحییٰ بن اکثم نے خود آگے بڑھ کر اس کا ابطال کیا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ علمائے حق نے مناصب قبول کرنے اور درباروں میں قدم رکھنے کے بعد علمِ دین کے احترام کا تحفظ بھی بڑی مضبوطی سے کیا۔ انہوں نے دین اور علمِ دین کی حرمت کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو درباداری کی گراوٹوں سے بچانے کی کوششیں کیں۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے ہم یہاں ایک ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک بار ہارون الرشید مجلس میں آیا تو تمام لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مجلس میں امام احمد موجود تھے، وہ نہیں اٹھے۔ ہارون اس واقعہ سے کیسے صرفِ نظر کر لیتا، امام سے باز پرس کی کہ آپ کیوں نہیں اٹھے؟ امام نے اس کا جو جواب دیا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہترین مثال تھا فرمایا کہ جب آپ نے مجھے اربابِ علم کے زمرہ میں جگہ دی ہے تو مجھے پسند نہیں کہ نوکروں اور خدمت گاروں میں شامل ہوں۔ ساتھ ہی حدیثِ سرکارِ رسالت مآب پڑھی کہ جو شخص یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے اعزاز میں کھڑے ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ کیسی سخت ضرب تھی بادشاہت کے مزاج پر، مگر ہارون کو اعتراف کرتے ہی بنی اور کہا کہ آپ نے درست فرمایا[۲]۔ یعنی علمائے حق نے اپنے آپ کو ملازمانہ ذہنیت

---

[۱] تاریخ خطیب بغدادی ج ۲، ص ۱۷۳، ۱۷۴۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۳۷۷ تا ۳۸۰۔ غلامانِ اسلام از مولانا سعید احمد ایم۔ اے۔ ص ۲۵۷، ۲۵۸۔

[۲] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۱۲۔ غلامانِ اسلام از مولانا سعید احمد ایم اے ص ۲۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک کا شکار ہونے سے بچایا جس کی بنیاد حرصِ مال و جاہ پر ہوتی ہے اور یہ حرصِ مال و جاہ آدمی کو روباہی کا ذوق دیتی ہے، خوشامد کا فن سکھاتی ہے اور بالآخر اندھی غلامی تک پہنچا دیتی ہے ان حضرات نے نہ اپنی روح بیچی اور نہ اپنے ضمیر کو گروی رکھا اسی بلند خودی کے زور سے وہ مطلق العنان فرماں رواؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سچائی کا پیغام درباروں میں سناتے اور بادشاہوں کو حق کے کڑوے گھونٹ حلق سے اتارنے پڑتے۔ جیسے کہ ایک بار عبداللہ ابن طاؤس نے منصور سے خطاب کر کے کہا تھا کہ "آخرت میں سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہو گا جسے اللہ نے حکومت میں سے حصہ دیا اور اس نے حکمرانی کرتے ہوئے ظلم کو روا رکھا"[1] اور کلمۃ الحق عند سلطان جائر کی ایسی مثالیں اکا دکا نہیں بے شمار ہیں۔

ایسے علمبردارانِ صداقت کو خداوند تعالیٰ ایک باطنی قوت سے آراستہ کرتا ہے جس کا خاص رعب ہوتا ہے پھر ان کو خلق میں خاص اثر و وقار حاصل ہوتا ہے اور رائے عام ان کا ساتھ دیتی ہے۔ علماء حق اسی باطنی روحانی قوت اور جمہوری اثر کی وجہ سے فرماں رواؤں کے مقابلے پر جمے رہتے تھے اور فرمانرواؤں کے دل ان سے لرزہ کھاتے تھے۔ اس قوت و اثر کی ایک بہترین مثال ہمیں یزید بن ہارون السلمی کی شخصیت میں ملتی ہے۔ مامون خلق قرآن کے متعلق اپنے دعویٰ کا اعلان کرنے میں انہی ابن ہارون کی وجہ سے تا دیر متامل رہا۔ اس کا اپنا قول ہے کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو میں عقیدۂ خلقِ قرآن کا اعلان کرتا، کیونکہ اگر اس نے میری تردید کی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ خدا کے اس بندے کی جرأت تھی کہ بے دھڑک پکار پکار کر کہا کہ جو شخص خلقِ قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے[2]

مطلق العنان اقتدار کے مقابلے پر علماء دین حق کے تحفظ کی جو خاموش جنگ لڑ رہے تھے اسے زیادہ سرگرم اور موثر بنانے میں امام ابوحنیفہ کا حصہ بڑا ہی گراں بہا ہے۔ امام نے

---

[1] ابن خلکان۔ ج ۱، ص ۲۳۳ - غلامانِ اسلام از مولانا سعید احمد ایم۔ اے۔ ص ۱۴۰

[2] غلامانِ اسلام۔ از مولانا سعید ایم۔ اے۔ ص ۲۹۴ - ۲۹۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متفرق انفرادی مساعی سے آگے بڑھ کر اس مقصد کے لیے ایک مضبوط ادارہ کی شکل میں ایک منظم محاذ پیدا کر دیا۔ ہمیں امام کے اس عظیم الشان کارنامے کا ایک اجمالی جائزہ لینا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی انقلابی شخصیت

امام ابوحنیفہ کی شخصیت تاریخی اعتبار سے فی الحقیقت ایک انقلابی شخصیت ہے جس کا ضمیر اسلام سے ہٹی ہوئی ہیئت سیاسیہ سے متصادم رہا۔ ہم امام کے انقلابی عمل کا سرسری تذکرہ پہلے کر چکے ہیں۔ انہوں نے زید بن علی اور محمد بن حنفیہ کی تحریکوں کا ساتھ دیا اور گھر میں بیٹھ کر ایک طرف مال سے انقلابی حرکت کی تائید کی اور دوسری طرف افراد کو اس میں حصہ لینے پر تیار کیا۔ پھر اس جرم عشق کی وجہ سے جب استبداد کی چکی میں پسنے کا موقع آیا تو ایک جبلِ استقامت ثابت ہوئے۔ اگر حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کام کے علاوہ جو پوری طرح بار آور بھی نہ ہو سکا، کوئی دوسری خدمت دین و ملت کی نہ بھی انجام دے سکتے جب بھی وہ ہمارے ان محسن اسلاف کی صف اوّل میں جگہ پاتے جن کے کارناموں نے پورے ایوانِ تاریخ کو ہمیشہ کے لیے روشن کر دیا ہے۔ ان کے علمی کارنامہ نے ان کی عظمت کو مزید چار چاند لگا دیئے ہیں لیکن تاریخ کے طالب علم کو یہ حقیقت بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ امام کا علمی کارنامہ بھی ان کے سیاسی کارنامہ ہی کی ایک کڑی تھا، اور اس کے پیچھے بھی وہی جذبۂ انقلاب کام کر رہا ہے۔ پس ان کے علمی کارنامہ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے سیاسی کردار کو سمجھا جائے۔

امام کی انقلابی شخصیت ایک پہلو سے ہماری پوری تاریخ میں بے مثل اور ممتاز ہے۔ ہمیں دوسری انقلابی شخصیتیں زیادہ تر ایسی نظر آتی ہیں — اور وہ اپنی جگہ بے حد مبارک ہیں — جو اٹھیں، سیاسی قوت سے ٹکرائیں اور ختم ہو کر ہمیشہ کے لیے ایک پیغام بن گئیں ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

وہ معاشرہ کے احساس کو چونکا نے کے لیے عقل کو محوِ تماشائے لبِ بام چھوڑ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے خطر آتشِ عشق میں کود گئیں۔ وہی بات کہ ع

بازی اگرچہ لے نہ سکا، سر تو کھو سکا

ہماری تاریخ کے بیشتر انقلابیوں کو مستبد بادشاہت کے نیچے چونکہ منظم آئینی تحریک چلانے کا راستہ نہیں ملا، اور چونکہ انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ایک غلط نظام کے نیچے پڑے پڑے معاشرہ اس کا خوگر ہو جائے اور اس کے لیے غلط اور صحیح کا فرق کرنے والا شعور اور تبدیلی کی رو اٹھانے والی حس ہی باقی نہ رہے: اس لیے یا تو انہوں نے مسلح بغاوت اٹھائی اور یا پھر تن تنہا نعرۂ حق بلند کیا اور جامِ شہادت نوش کر کے خاموش ہو گئے مگر ان کے نعرہ نے وقت پر معاشرہ کو ایک زلزلہ کی طرح جھنجھوڑ دیا اور بعد میں تاریخ کے گنبد سے اس نعرہ کی صدائے بازگشت رہتی دنیا تک سنائی دیتی رہے گی۔ ان کے خون کے قطرے مٹی میں ملے تو کتنے ہی آنے والے انقلابات کے لیے بیج قرار پائے۔ ان کی وجہ سے آج تک ملتِ اسلامیہ گرم خوں ہے۔

مگر امام ابوحنیفہ دل میں انقلاب کی جو آگ رکھتے تھے وہ ٹھنڈی آگ تھی جو معاً بھڑک کے بجھ جانے کی بجائے تا دیر سلگ سکتی تھی۔ ان کا حال وہ گیلے بن کی لکڑی کا سا تھا جس کی شان تھی "سلگت ہوں دن رین"۔ جذبہ ہائے آتشیں سینے میں رکھ کر اپنے طرزِ فکر کو ٹھنڈا بھی رکھنا، جوش کا طوفان اُبلتے ہوئے اس میں ہوش کی کشتی کو بھی سلامتی سے آخر دم تک کھیتے چلے جانا امام ابوحنیفہ کو اسلامی تاریخ کے مایۂ ناز انقلابیوں سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے ہاں عالم کا دماغ اور انقلابی کا دل یوں بہم آمیز تھے کہ ؎

روئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش است

ان کا جنون "حکیمانہ با شام و برد" کا مسلک رکھتا تھا۔ مقصد کے لیے جذبۂ عاشقانہ، مگر طریقۂ حصولِ مقصد کے لیے طرزِ فکر حکیمانہ۔ اس موقعہ پر حضرت امام ابوحنیفہ کے سیاسی طرزِ فکر اور طریقِ کار کے چند اہم پہلو زیر مطالعہ آنے چاہییں۔ یہ ضمنی گفتگو اجمالی کے باوجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طویل ہو جاتے تو مجبوری ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے حکیمانہ فکر کا اولین مظہر تو یہی امر واقعہ ہے کہ انہوں نے زیرِ زمین (Under-Ground) کام کرنے کا طریقہ پورے شرحِ صدر سے اختیار کیا اور یہ ان کے اجتہاد پسند ذہن کا کرشمہ تھا۔ ان کے سارے فقہی اجتہادات ایک طرف اور یہ ایک سیاسی اجتہاد ایک طرف۔ حضورؐ کا نمونے کا کام کھلا کھلا کام تھا، صرف دعوت کا ابتدائی دَور ایسا ہے کہ بڑی احتیاط کے ساتھ خاص خاص افراد تک خاص خاص افراد کے ذریعے پیغام پہنچایا گیا۔ مگر یہ دَور بھی "فاصدع بما تؤمر" کے فرمانِ آسمانی سے ختم کر دیا گیا۔ ایسا نہیں کہ اسے پوری طرح خفیہ تحریک کہا جا سکے۔ پھر اس کا مقصد کسی کے تحتِ اقتدار کو الٹنا بھی نہ تھا۔ مقصود فقط اتنا تھا کہ قبل اس کے کہ جاہلی معاشرہ کسی جذباتی ہیجان میں پڑ جائے مکہ کے جوہرِ قابل میں سے مردانِ کار کا زیادہ سے زیادہ ابتدائی سرمایہ اسلام کے گرد جمع کر لیا جاتے۔ پھر خلفائے راشدین کے دَور میں تو معاشرہ اسلام کے زیرِ نگیں تھا اور بیرونی طاقتوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود ہی میدانِ جنگ میں کرانا پسند کیا۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی عنصر نے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خوارج نے کچھ خفیہ کام بھی کیا مگر وہ کسی مومن کے لیے اُسوہ نہیں ہو سکتا۔ بعد میں ایک مثال مسلم بن عقیل کی ہے، جنہوں نے امام حسینؓ کی طرف سے کوفہ میں خفیہ بیعت لینے کی حد تک کام کیا لیکن امام حسینؓ خود علی الاعلان بادشاہت کے خلاف اٹھ چکے تھے اور ان کی اصل تحریک میں کوئی اخفا نہ تھا۔ بہر حال حضرت امام ابوحنیفہ گویا نفسِ زکیہ کی تحریک کا کوفہ میں ہمہ تن ایک خفیہ مرکز تھے۔ زیرِ زمین کام کرنا بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ممکن ہے، کوئی "گرم خون" آدمی اس ذمہ داری کو نبھا نہیں سکتا۔ اس کام میں دماغ، جذبات اور زبان پر پورا پورا قابو درکار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ آدمی کے لہجے اور رنگِ رُخ کی تبدیلیاں بھی یہ غمازی نہ کریں کہ ذہنی کیفیت کیا ہے۔

درحقیقت جب کھلے میدان میں اظہارِ اختلاف کے دروازے بند کر دیئے جائیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب جبر و استبداد کی فضا میں برسرِ عام کوئی دعوت دینا اور ایک خیال کے لوگوں کو منظم کرنا خارج از امکان کر دیا جائے، دوسرے لفظوں میں تبدیلی کی پُرامن آمد کی گنجائش نہ چھوڑی جائے تو تاریخ بتاتی ہے کہ پھر دو ہی راستے رہ جاتے ہیں: ایک مسلّح بغاوت، دوسرے سازش یا زیرِ زمین تحریکات۔ زید بن علی اور محمد بن حنفیہ کو حقیقی قوت ہاتھ آتی اس کے بل پر انہوں نے پہلا راستہ اختیار کیا مگر بغاوت کی ان دونوں حرکات کا پنپنا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ ان کو افراد، اموال اور آراء کے ذریعے مسلسل تقویت پہنچے۔ یہ کام تختِ استبداد کے سایے میں کھلے بندوں کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ نے یہی راستہ اختیار کیا۔ ان کی سرگرمیٔ کار کے لیے ہم اس سے پہلے لفظ "جہاد"[1] استعمال کر چکے ہیں۔ مگر اس سے مراد ان کی سرگرمی اور انہماک ہے، نیز تاریخ بتاتی ہے کہ اچھے خاصے بڑے پیمانے کا کام انہوں نے کر ڈالا۔ یعنی ان کے سیرت نگاروں کا منشا یہ ہے کہ خوب زور شور سے انہوں نے کام کیا۔ آخر ان کے سامنے ایک نہایت ہی فیصلہ کن بازی لگ رہی تھی جس کے نتیجے میں معاشرے کی تقدیر کا رخ قرنوں کے لیے معین ہونے والا تھا۔ بہ ہر حال انہوں نے اسلامی انقلاب کے کسی ایک ہی لگے بندھے نسخے کو اجزا کے ردوبدل کے بغیر استعمال کرنے کے بجائے حالات کے مطابق صحیح اور موزوں نسخہ اختیار کر لیا۔

(۲) زیرِ زمین کام کرنے والے انقلابی کے لیے ایک خصوصیت یہ لازم ہے کہ وہ آسانی سے نہ اپنے مخالف کی گرفت میں آئے اور نہ قانون کا ہاتھ اس کے پیچھے پڑنے دے۔ ورنہ اگر ایسا آدمی ہر بات کو فاش کہہ دے۔ ہر سوال کرنے والے کے ظاہراً معصومانہ اور باطناً مفسدانہ سوالوں کے دام میں آ سکے، کسی بھی جوشش انگیز متکلم

[1] تاریخ القضا فی الاسلام — از محمد بن محمود عرنوس مصری ص ۴۷ (بحوالہ واقدی)۔ الیافعی الشافعی — ج ۱ ص ۳۰۰۔ مناقب موفق — ج ۱، ص ۸۴ و ۱۷۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ذہنی تحریک پر کھل جائے تو سارا منصوبہ ختم ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ اس صلاحیت سے آراستہ تھے۔ اور اس سے انہوں نے خوب خوب کام لیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے برعکس کھلے اور پرجوش انقلابی کا رنگ دیکھنا ہو تو تحریکِ بغاوت کے ایک لیڈر ابراہیم بن میمون کی مثال ملاحظہ کیجیے۔ ابو مسلم خراسانی کی ان پر نظر تھی مگر موادِ ثبوت نہ تھا کہ ان کے بارے میں کوئی قطعی اقدام کر سکے۔ کارِ خاص کا آدمی ان کے پاس بھیجا اور ان پر سوال کیا گیا کہ کیا ابو مسلم خراسانی پر قاتلانہ حملہ کرنا جائز ہے؟ انہوں نے بلا تأمل اثبات میں جواب دیا۔ یوں ان کا نقطۂ نظر اچھی طرح سامنے آ گیا[1] ان کا پورا کام اسی مزاج کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے براہِ راست ابو مسلم خراسانی کو پہلے نرمی سے نصیحت کی، پھر نہایت سختی سے دعوت دی۔ نتیجہ یہ کہ گرفتار کر لیے گئے۔ علماء کی سفارش سے رہائی پائی۔ رہائی کے بعد مذکورہ بالا فتویٰ ابو مسلم خراسانی کے خاص فرستادے کے سامنے دے دیا۔ حد یہ کہ آخری ملاقات میں اس سے یہ کہہ آئے کہ میں تیرے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں، اقتدار ہاتھ میں نہیں ہے لہٰذا زبان سے جہاد کروں گا۔ بلکہ یہ تک اسے سنا دیا کہ میں اللہ کی خاطر تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔ آخر ابو مسلم خراسانی نے انہیں قتل کر دیا[2]۔

اب ذرا امام ابو حنیفہ کا ٹھنڈا مدبرانہ طرز ملاحظہ ہو کہ راکھ کے ڈھیر میں گرم چنگاریاں چھپا رکھنے والوں کو جب تلوار سے تیز اور بال سے باریک راستے پر چلنا پڑتا ہے تو وہ کس طرح اپنا توازن برقرار رکھتے ہیں۔ اس صلاحیت کی ایک مثال تو وہ ہے جب حضرت ابو حنیفہ کو کوفہ میں خارجیوں کی عارضی حکومت کے دور میں گرفتار کر کے خارج کوفہ

---

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کی رائے میں یہ فتویٰ ابراہیم کے سر یونہی تھوپا گیا تھا۔ مگر فی الجملہ ان کا طرزِ فکر سخت تھا۔ [2] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا گیلانی مرحوم ص ۱۸۶، ۱۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضحاک خارجی کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ یہ ہے اہلِ کوفہ کا سربراہ۔ خارجی معمول کے مطابق (جس کا اوّلین تجربہ حضرت علیؓ پر کیا گیا تھا) امام سے مطالبہ کیا گیا: "یاشیخ! کفر سے توبہ کرو۔" توبہ کرنے کے معنی اپنے کفر کا اعتراف کرنے کے تھے اور پھر اس مفہوم کے ساتھ جو خارجیوں کا تھا۔ مگر کیا خوب راہ نکالی امام ابوحنیفہ نے، فرمایا: "انا تائب من کل کفر۔" یعنی میں ہر کفر سے تائب ہوں (اس جملے میں یہ مفہوم بھی مضمر تھا کہ پہلے سے تائب ہوں)۔ چھوڑ دیئے گئے۔ کسی درباری نے ضحاک کے کان بھرے کہ اس شخص کی مراد کفر سے خارجی عقاید ہیں۔ پھر بلائے گئے اور سوال کیا گیا کہ کیا کفر سے تمہاری مراد ہم لوگوں کے عقاید ہیں۔ امام نے ہاں یا نہیں اس سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا یہ سوال کر دیا کہ آپ کی یہ بات گمان پر مبنی ہے یا یقین ہے کہ میں نے کفر سے یہ مراد لی ہے۔ خارجی سردار نے جواب دیا کہ صرف گمان اور ظن ہے۔ امام نے "ان بعض الظن اثم" پڑھ کر فرمایا کہ آپ نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور گناہ آپ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق کفر ہوتا ہے اور آدمی کو خارج از اسلام کر دیتا ہے۔ اس لیے پہلے آپ اس کفر سے توبہ کیجیے۔ خارجی سردار نے توبہ کی اور امام سے مطالبہ کیا کہ اب تم بھی توبہ کرو۔ امام نے فرمایا: میں ہر قسم کے کفر سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ رہا کر دیئے گئے۔[1]

ابن ہبیرہ کے ہاں ایک مرتبہ امام کا جانا ہوا اور موقع کچھ ایسا نکلا کہ ابن ہبیرہ نے سرکاری پالیسی (جس کا منشا علماء کو قریب لانا تھا) کے تحت بڑے نرم انداز سے درخواست کی کہ اے شیخ! اگر ہمارے یہاں ذرا زیادہ آمد و رفت رکھیں تو آپ سے ہم فائدہ

---

[1] مناقب موفق۔ ج ۱ ص ۱۷۱، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۱۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھائیں اور آپ کو ہم سے فائدہ پہنچے۔ امام کا جواب کیا ہی نپا تُلا تھا کہ میں آپ کے یہاں آکر کیا کروں گا، آپ اگر مجھے قریب دیں گے تو آزمائش میں ڈال دیں گے اور دُور ہٹا دیں گے تو رسوائی میں ڈال دیں گے۔ اس مختصر سے جملے کے پیچھے اس دَور کے سارے حالات کا عکس موجود ہے اور وہ بیان کیے بغیر بیان بھی ہو گئے اور تلخی کا کوئی پہلو بھی نہ نکلا۔ امام نے مزید یہ کہا کہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی مجھے آرزو ہو اور نہ میرے پاس ایسی کوئی چیز ہے جس کی وجہ سے مجھے آپ کی طرف سے ڈر لاحق ہو۔[1] کتنی بلیغ بات کہی۔ کہنے کی بات اس طرح کہہ دینا کہ اقتدار کا معشوق ہزار شیوہ اسے سمجھی جائے بڑی ذہنی ریاضت کے بعد ہی ممکن ہے۔

ان دو مثالوں سے بڑھ کر وہ مثال ہے جبکہ امام ابوحنیفہ کو ابوالعباس السفاح کے سامنے دینی و سیاسی حیثیت سے ایک اہم عہد و اعلان کرنا پڑا۔ یہ واقعہ عام تاریخوں میں زیادہ نمایاں ہو کر نہیں آیا مگر حنفیہ کے لٹریچر میں ابویوسف جیسی ذمہ دار ہستی نے داؤد طائی کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے کہ سفاح نے کوفہ میں تخت بچھاتے ہی علماء کو طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تقریر کر کے ان سے لوگوں کی بیعت چاہی تمہید میں اس نے کہا کہ آخر خلافت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں تک لوٹ آئی اور خدا نے حق کو قائم کر دیا۔ اس کے بعد اصل مطلب کی بات یوں کہی:۔

" اور آپ لوگ جو علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس حق کی اعانت کے لیے آگے بڑھیں ——————

اعلان کیا جاتا ہے کہ اس کے صلے میں آپ کے ساتھ داد و دہش کی جائیگی۔

[1] مناقب موفق۔ ج ۱، ص ۱۷۲، ۱۷۳۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی —— از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۱۳۱، ۱۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی عزت بڑھائی جائیگی اور اللہ کے مال سے آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق خدمت کی جائیگی۔ پس چاہیئے کہ جس شخص کے حصے میں خلافت آئی ہے۔ اس کے ہاتھ پر آپ بیعت کریں۔ یہ بیعت حجت ہوگی۔ آپ کے حقوق کی بھی اور آپ کے فرائض کی بھی ..... "

تاریخ اسلامی کا ایک عظیم خون ریز حکمران جو نیا نیا فاتح بھی تھا یہ مطالبہ کر رہا تھا۔ نامور علماء کی پوری ایک جمعیت سامنے تھی۔ ان حضرات کی مشکل کا اندازہ کیجیے۔ اگر صاف صاف طریق سے بیعت سے انکار کرتے ہیں تو ذبح ہوجاتے ہیں اور قبول کرتے ہیں تو ضمیر پر امٹ داغ آتا ہے اور آئندہ کوئی کام کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اس مجلسِ علماء میں امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے (واضح رہے کہ امام کا مکہ سے کوفہ میں مستقل طور سے منتقل ہونا تو بعد کا واقعہ ہے، مولانا گیلانی کے بقول اس موقع پر اتفاقاً امام کی آمد ہوئی ہوگی) علماء کی خاموش نگاہیں امام کی طرف اٹھیں۔ امام نے ان نگاہوں کو پڑھ کر خود ہی پیشکش کی کہ اگر آپ حضرات چاہیں تو میں اپنی طرف سے بھی اور آپ سب کی طرف سے بھی جواب عرض کروں۔ چنانچہ مجلس نے وکالت و نمائندگی کا فریضہ آپ کو سونپ دیا۔ امام نے تقریر کی اور تان اس بات پر توڑی کہ :-

" خدا کے حکم پر (عَلٰی اَمْرِ اللّٰہِ) ہم نے تمہاری بیعت کی اور اس بیعت کے ساتھ ہم قیام الساعۃ تک وفادار رہیں گے "

یہ انتہائی محتاط قانونی فقرہ امام نے حسنِ خطابت کے ایسے لطیف پیرائے میں پیش کیا کہ سفاح کی توجہ اس کی گہرائیوں تک نہ جا سکی بلکہ وہ تقریر کے مجموعی رنگ سے متاثر ہوگیا اور اس نے داد دی کہ علماء کی طرف سے تم ہی جیسے آدمی کو خطاب کرنا چاہیے تھا اور تم ہی اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سزاوار تھے [1]

وقت کا یہ لمحہ جو سیفِ قاطع تھا، ٹل گیا۔ علماء باہر آئے تو امام سے سوال کیا کہ آپ نے یہ کیا بات کہی۔ انھوں نے بس اتنا ہی کہا کہ آپ نے بات میرے حوالے کی، بس میں نے اپنے لیے بھی ایک راہ نکالی اور آپ لوگوں کو بھی مصیبت سے بچا لیا۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ امام کے مذکورہ بالا ذو معنیین فقرے کی گہرائی نے ان کے ساتھیوں میں سوال پیدا کر دیا۔ قطع نظر اس اہتمام کے کہ امام نے بیعت "امراللہ" کی خاطر کی تھی، فقرے کا ایک پہلو دار جز "الی قیام الساعۃ" کے الفاظ تھے۔ الی قیام الساعۃ کا ایک ظاہری مفہوم یہ تھا کہ "قیامت کے قائم ہونے تک" ہم وفادار رہیں گے، اور السفاح کی نظر اسی مفہوم پر ٹھہر گئی۔ مگر "الی قیام الساعۃ" کا مفہوم متکلم نے کچھ اور پیشِ نظر رکھا، جبھی تو کہا کہ میں نے ایک راہ نکال لی۔ اس نکتے کو الکردری نے بھی لیا ہے اور کہا ہے کہ اس بات کی گنجائش ہے کہ امام ابوحنیفہ نے قیام الساعہ کے الفاظ سے مراد اس مجلس سے اٹھنے کا وقت لیا ہو۔[2] توریہ کا یہ نہایت حکیمانہ استعمال ہے جس کی گنجائش اسلام نے دی ہے۔ ہماری رائے میں اس سے بڑھ کر ایک مفہوم اور ان الفاظ سے ٹپکتا ہے، یعنی "وقت آنے تک" یا کسی ساعت خاص کے ظہور تک" سے مراد یہ ہو کہ جو نہی کہ ہم کوئی اقدام کرنے کے قابل ہو جائیں، اس مجبورانہ بیعت کو بالائے طاق رکھ دیں گے۔ امام کے اسلامی عزائم کا تصور سامنے رکھتے ہوئے یہ مفہوم

---

[1] مناقب، موفق۔ ج ۱، ص ۱۵۱، ۱۵۲۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ـــــ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

[2] مناقب امام ابوحنیفہ ـــــ از کردری۔ ج ۱، ص ۲۰۰۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ قریب الفہم ہے۔

(۳۳) امام ابوحنیفہ کا نظریۂ سیاسی یا فلسفۂ انقلاب محض کسی سادہ سے جذباتی خارمولے پر مشتمل نہ تھا۔ سیاسی تبدیلی کی مہم اٹھانے کے لیے ان کے سامنے اسلام کے بعض محکم اصول اور لازمی شرائط تھے۔

زید بن علی اور ابراہیم بن میمون الصائغ کی امام صاحب نے قلبی، مالی اور لسانی اعانت بھی خوب کی، مگر بنفس نفیس عملاً خروج میں حصہ بھی نہیں لیا۔ اس کی وجہ مقصد میں اتفاق کے ساتھ ساتھ عملی اقدام میں وجہ اختلاف کا پایا جانا ہے۔ ایک طرف امام کا حال یہ تھا کہ ان دونوں حضرات کی تعریف کرتے تھے، مفقصد حق کے لیے اور ان کے جذبۂ کارخیر کے قدرداں تھے۔ حتیٰ کہ زید بن علی کے بارے میں فرمایا کہ ان کا نکلنا حضورؐ کے بدر کو نکلنے کے مشابہ ہے[1] اور ابراہیم کے متعلق فتویٰ دیا کہ ابراہیم کی اعانت و رفاقت میں نام آجانا (کفار سے لڑنے کے لیے) مصیصہ کی چھاؤنی میں قیام کرنے سے بہتر ہے[2] بلکہ ان کے معرکے کو "بدر صغریٰ" قرار دیا[3]۔ زید کے متعلق تو یہاں تک فرماتے: "ان کے مرتبے کا آدمی دوسرا کوئی نہیں۔"[4] دونوں کی وفات ہونے پر جب بھی ان کی یاد آتی تو امام کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔ پھر ان دونوں کو مالی مدد دینا اور ان کی رفاقت کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا بھی پیش نظر رہتا۔ مگر بات عجیب لگتی ہے کہ ایک معرکہ پسند انقلابی ہونے کے باوجود خود میدان میں نہیں اترے۔ اور اس کے لیے کسی مرض کا عذر۔

---

[1] حوالے پہلے درج ہو چکے ہیں۔

[2] تاریخ خطیب البغدادی ج ۱۳، ص ۳۴۶۔ ابن عساکر ج ۲، ص ۵۰۳۔ امام ابوجعفر کی سیاسی زندگی ص ۱۵۵

[3] تاریخ القضاء فی الاسلام ۔ از محمد بن محمود عرنوس المصری، ص ۴۷۔

[4] مقدمہ روضۃ الکبیر ص ۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امانتوں کا عذر اور والدہ کی خدمت کا عذر بھی تاریخوں میں مذکور ہوا ہے مگر ان عذرات کے صحیح ہونے کے باوجود بات کچھ اور تھی۔ امام کے نہایت ہی پختہ نظریۂ انقلاب کے مطابق بعض ضروری شرائط پوری نہیں ہوتی تھیں۔ اور کچے کام کے لیے امام کا ذہن تیار نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت زید کی طرف سے نمائندہ بن کر فضیل بن زبیر کوفہ میں امام ابو حنیفہ سے ملے اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ اس پر امام نے یہ سوال کیا کہ زید کا رابطہ کن لوگوں سے ہے؟ مقصود یہ جاننا ہوگا کہ دینی اکابر میں سے کون ساتھ ہیں؟ بات چیت کے بعد حضرت زید کی اعانت کے لیے ایک رقم (ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں) پیش کرتے ہوئے مطالبۂ بیعت کا جواب یہ دیا کہ اگر جانتا کہ لوگ (اہلِ کوفہ) راست باز ہیں اور وقت آنے پر ساتھ چھوڑ نہ دیں گے تو میں ضرور زید کی پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا۔[1] یعنی امام کو اطمینان نہ تھا کہ زید کے ساتھ مخلص لوگوں کی کوئی ٹھوس جماعت ہے۔ زیدی تحریک کے اس کمزور پہلو کو دوسروں نے بھی بروقت بھانپ لیا تھا، چنانچہ سلمہ بن کہیل نے مفصل مکالمہ کر کے حضرت زید کو بیعت کنندگان کے غدر کا اندیشہ دلایا اور باز رکھنا چاہا۔ کوفہ کے امام اعمش نے بھی یہی خطرہ ظاہر کیا۔ عبداللہ بن حسن نے حضرت زید کو خط لکھ کر متنبہ کیا کہ "ان (کوفیوں) کی زبانیں آگے آگے چلتی ہیں مگر ان کے دل ساتھ نہیں دیتے" اور "اگر چھوڑ دیئے جائیں تو گھسے پڑتے ہیں، لڑائے جائیں تو بزدلی دکھاتے ہیں اور کٹھن کام کے لیے بلائے جائیں تو اُلٹے پاؤں پھر جاتے ہیں" ذہبی کہتا تھا کہ کاش زید ہشام کے مقابلے کے لیے نہ اٹھے ہوتے۔ گویا امام اور دوسرے اہلِ بصیرت کی طرح جہاں حضرت زید کی شخصیت پر اطمینان تھا وہاں ان کی جماعت پر بھروسہ نہ تھا۔ چنانچہ آخر الامر کوفی بیعت کنندگان

---

[1] ایضاً ص ۲۰۲

[2] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۷۸ تا ۱۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بیوفائی کی۔

یہی صورت ابراہیم الصائغ کی تھی۔ ابراہیم نے امام کے سامنے دعوت رکھی، بحث کی اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ دونوں کے درمیان اس پر اتفاق تھا کہ یہ کام خدا کی طرف سے فرض ہے۔ (قولِ امام: "دعانی الی حق من حقوق اللّٰہ")۔ اس پر ابراہیم نے کہا کہ ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں بیعت کر دوں۔ اس مطالبے کو قبول نہ کرتے ہوئے امام نے ایک تقریر کی اور کہا کہ اگر اس فرض کو ادا کرنے کے لیے دو ایک آدمی کھڑے ہونگے تو قتل کر دیئے جائیں گے اور خلقِ خدا کے لیے کوئی خاص کارِ خیر سرانجام نہ دے سکیں گے۔ اسی تقریر میں اپنے نظریۂ انقلاب کے شرائط (جس کی بنا کتاب و سنت پر ہے) کمال ایجاز سے بیان کر دیئے۔

ضروری نکات یہ ہیں:

— یہ فرض ہے مگر ایسا فرض نہیں کہ جس کے لیے کوئی شخص تن تنہا اٹھ کھڑا ہو۔

— اس کے لیے ایسے مددگار درکار ہیں جو صالح ہوں (اعواناً صالحین)،

— ان کی قیادت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو اللہ کے دین پر (قابلِ اعتماد حد تک) استوار رہے۔

— یعنی ماحصل یہ کہ کسی مردِ صالح کی قیادت میں منظم طاقت وجود پذیر ہو۔[1]

اس نظریۂ انقلاب کی وجہ سے نہ تو آپ کو پورا اطمینان تھا کہ میدان میں اتر جائے اور نہ یہی گوارا تھا کہ "تاریک ترین دورِ استبداد میں جو مردانِ کار اقامتِ دین کے مبارک مقصد کے لیے اٹھتے ہیں ان کی مساعی اکارت جائیں۔" بنابریں ان سے بھرپور تعاون بھی کیا۔

(۴) امام ابوحنیفہ کی تیسری خوبی یہ تھی کہ "تخت یا تختہ" کے سادہ کلیہ کے مطابق

---

[1] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۱۷۷ تا ۱۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوچنے اور کامیابی کی راہ نہ کھلے تو مخالف قوت سے سیدھے سیدھے ٹکرا جانے کے بجائے وہ ملے منصوبے پر میدان کار اور طریق کار کو بدل بدل کر کام کر سکتے تھے۔ اسلامی تاریخ کے داعیانِ حق کی صفوں میں بیشتر ایسے انقلابی ملتے ہیں جنہوں نے ایک نقشہ پر کام کیا اور پھر اگر کامرانی کا دروازہ نہیں کھلا تو انہوں نے نقشۂ کار کو بدلنے کے بجائے سیدھے آگے ہی آگے قدم بڑھا کر اپنے آپ کو دیوارِ مزاحمت سے ٹکرا دیا۔ جس کی اولین نظیر حضرت امام حسینؓ نے قائم کی۔ وہ نمونہ اپنی جگہ بے حد قیمتی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ کا پیش کردہ دوسرا نمونہ بھی بے حد قیمتی ہے۔

کسی انقلابی کا کلمۂ حق کہہ کر سلطانِ جائر کی تیغِ ظلم کا شکار ہو جانے میں جہاں خیر و برکت کا یہ پہلو تھا کہ معاشرے میں جذبۂ احیائے اسلام متحرک ہوتا تھا اور احساس شل نہیں ہونے پاتا تھا، وہاں اس کا دوسرا اثر بعض حالات میں یہ بھی ہوتا تھا کہ عوام پر خوف سے کپکپی طاری ہو جاتی۔ اور تبدیلی کے امکان ہی سے مایوسی ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ کی نظر دونوں جانب رہی۔ ان کا قول بہ روایت علامہ ابوبکر الجصاص یہ تھا کہ:

> "اپنے آپ کو جابرہ سے ٹکرا کر قتل کرا دینے میں ایک اور مصلحت بھی مانع ہے۔ وہ یہ کہ اس قتل کے بعد اندیشہ ہے کہ دوسروں کے حوصلے بھی باطل کے مقابلے میں پست ہو جائیں گے۔"[1]

یعنی ان پہلوؤں کو جانچ تول کر ہی کوئی اقدام کیا جا سکتا ہے۔ ایک ایسا داعی جس کے سامنے قطعی طور پر بے حس معاشرہ ہو اور کام کرنے کا سرے سے کوئی میدان نہ مل رہا ہو تو پھر ظلم کی قوت سے ٹکرا کر تاریخ میں تموج پیدا کرنا افضل الجہاد ہے۔ لیکن اگر معاشرہ کے حالات بالکل تاریک نہ ہو گئے ہوں، اس میں قلوبِ حساس باقی ہوں اور کام کرنے کا

---

[1] احکام القرآن از جصاص ج ۲ ص ۳۳ - امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ص ۱۸۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک یا دوسرا یا تیسرا امیدوار مل سکتا ہو تو بجائے فیصلہ کن تصادم سے بچ کر کام کا تسلسل کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھنا ہی صحیح طریق کار ہے۔ امام نے اسی پر عمل کیا۔

حضرت امام نے ایک طرف اقتدار کا آلۂ کار بننے سے اپنے آپ کو شدید آزمائش سے گذر کر بھی بچایا، دوسری طرف زیر زمین کام کر کے حکومت کے تخت کو الٹنے والی تحریک کا ساتھ دیا، اور جب ان منفی اور مثبت دوگونہ مساعی سے بھی گوہر مراد ہاتھ نہیں آیا تو نہ تو ہمت ہار کر اپنے مقصد سے روگردانی کی اور نہ اپنے آپ کو اقتدار سے ٹکرا کر یکبارگی کھیل ختم کیا بلکہ حصول مقصد کے لیے نئی راہ نکالی اور نیا طریقِ کار وضع کر لیا۔ وہ کام جسے آج ہم تدوینِ فقہ کا عنوان دیتے ہیں، درحقیقت امام نے اپنے اسی مشن کی تکمیل کے لیے ہاتھ میں لیا جسے وہ براہِ راست سیاسی میدان میں حاصل نہ کر سکے تھے۔ انھوں نے اپنے مقصد کو گویا مستقبل تک پھیلا دیا اور آئندہ نسلوں کو شریکِ کار کرنے کی ٹھانی۔ انھوں نے سرزمین علم میں انقلاب کی تخم ریزی کے لیے کسان کی سی لمبی صبر آزما محنت کا بالکل نئے سرے سے آغاز کر دیا۔ انھوں نے ایک فکری محاذ برپا کرنے کا ارادہ باندھ لیا اور پھر اسی مہم میں مصروف ہو گئے۔

ایک ضروری اعلان

ہم نے اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، مکتبہ چراغ راہ، مکتبہ تعمیر انسانیت اور دوسرے اسلامی لٹریچر شائع کرنے والے اداروں کی کتب دفتر ترجمان القرآن سے بھی ضرورت مند حضرات کو مل سکیں۔ قارئین کرام اپنی ضرورت کے مطابق آرڈر بھیج سکتے ہیں۔

منیجر شعبہ کتب ادارہ ترجمان القرآن

اچھرہ لاہور

© rasailojaraid.com